جو شخص رسوم و بدعات کو نہیں چھوڑتا اُس کا ایمان کبھی پختہ نہیں ہوسکتا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹؍ستمبر ۱۹۶۶ء بمقام ۔مری)

❁❁❁

☆ نیکیوں کی تعلیم آسمان سے آتی ہے اور ثواب اور اجر کا دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

☆ جب تک رسوم و بدعات کے دروازے تم اپنے پر بند نہیں کر لیتے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے نہیں کھل سکتے۔

☆ جماعت احمدیہ کے ذریعہ لسانی اور قلمی جہاد کیا جا رہا ہے۔

☆ بدرسوم اور ایمان کامل اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

☆ ہر احمدی تنظیم پر یہ فرض ہے کہ وہ نگرانی کرے کہ کوئی احمدی بھی بدرسوم و رواج کی پابندی کرنے والا نہ ہو۔

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور پر نور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف :۱۵۸)

پھر فرمایا:۔

اس آیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے میں اس کے ایک حصہ کے متعلق دوستوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ مضمون يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ سے شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بہت سے مستقل سلسلہ ہائے انبیاء اور سلسلہ ہائے شرائع قائم کئے گئے تھے۔ بہت سی قومیں اس وقت ایسی تھیں جن کا رشتہ اپنی شریعت سے ابھی ٹوٹا نہ تھا۔ وہ اپنی حالت اور اپنی سمجھ کے مطابق ان شرائع کی پیروی کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ لیکن بہت سی اقوام ایسی بھی تھیں کہ جن کا رشتہ اپنی شریعت سے ٹوٹ چکا تھا اور اس وقت وہ عملاً اہل کتاب نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنی ناقص عقل سے بہت سی رسوم جاری کر رکھی تھیں اور بہت سی بدعتوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہی ان کا مذہب تھا یہی ان کی شریعت تھی۔ ایسی شریعت جس کا کوئی رشتہ آسمان سے قائم نہ تھا لیکن جو ان کے جاہل دلوں کو تسلی دے دیا کرتا تھا۔

تو اس آیت کے پہلے حصہ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ کا تعلق ان اقوام سے ہے۔ جن کا رشتہ اپنی شریعت سے منقطع نہیں تھا۔ اور ہر نبی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اپنی اپنی اُمت سے اللہ

تعالیٰ کے نام پر عہد بیعت لیا تھا اور وہ ایک پختہ عہد پر قائم تھے۔ وہ میثاق اور عہد یہ تھا کہ وہ قومیں اپنی اپنی شریعت کو اپنے اندر قائم کریں گی۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص اس پر خود بھی عمل کرے گا اور دوسروں سے بھی عمل کرانے کی کوشش کرے گا۔ اگرچہ ان کی شریعت بہت حد تک محرف و مبدل ہو چکی تھی۔ اور بہت سی بدعتیں اور رسوم انہوں نے اپنی شریعت میں ملا دی تھیں۔ لیکن ان میں سے ایک جماعت سمجھتی یہی تھی کہ وہ خدا کی شریعت ہے۔ اور ہم نے اپنے رب سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اس شریعت پر قائم رہیں گے۔ اور اسے قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ○ (آل عمران:۱۸۸)

یعنی اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی عہد لیا تھا کہ تم ضرور اپنی قوم کے لوگوں کے پاس اس کتاب کو ظاہر کرو گے (اپنے قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی) اور اس کی تعلیم کو وضاحت کے ساتھ اور کھول کھول کر بیان کرو گے اور عوام سے اس کو چھپاؤ گے نہیں بلکہ اس کی تعلیم کو عام کرو گے تا علیٰ وجہ البصیرۃ اور حق الیقین کے ساتھ وہ اس پر ایمان لانے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہوں مگر باوجود اس کے انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ اور اسے چھوڑ کر تھوڑی سی قیمت (جو دنیوی مال و متاع ہیں) لے لی۔ اور اُخروی نعمتوں کو دنیوی لذات پر قربان کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو وہ لیتے ہیں بہت ہی بُرا ہے۔

یہ وہ عہد ہے جو ہر نبی کی اُمت اپنے رب سے کرتی رہی ہے اور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جو قومیں اہلِ کتاب میں شمار ہوتی تھیں یا ہو سکتی تھیں وہ اقوام اظہار بھی کرتی تھیں کہ ہم خدا کی نازل کردہ ایک شریعت پر قائم ہیں اور ہم نے اپنے رب سے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ بھی اس پر قائم رہیں گے بلکہ اس شریعت کو قائم کریں گے اور بنی اسرائیل کا بھی اپنے رب سے یہ عہد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت تورات کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی ہے۔ وہ اس پر عمل کریں گے اور اس پر قائم رہیں گے۔

تو اگرچہ یہ شریعتیں ایک حد تک محرف و مبدل ہو چکی تھیں۔ اور انسانی ہاتھوں نے بہت سی بدعتیں

ان میں شامل کر دی تھیں۔ لیکن ان کے پیرو بہر حال انہیں روحانی صداقتیں اور روحانی حقائق بتلاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے ربّ سے جو پختہ عہد انہوں نے باندھا ہے اس پر قائم رہنا ان کیلئے ضروری ہے۔ چونکہ اس وقت دنیا کی یہ حالت تھی اور ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تمام دنیا کے لئے، تمام جہانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ یہ اعلان کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے سب پہلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور پہلی قوموں نے اپنے اپنے رسول کے ذریعہ جو عہد اپنے اللہ سے باندھا تھا ان کا رب اس عہد کو ساقط کرتا اور ان اُمتوں کو اس عہد سے آزاد کرتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر نیا عہد باندھنے کی تلقین کرتا ہے۔

پس اس چھوٹے سے فقرہ (وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ) میں اعلان کیا گیا ہے کہ پہلی شریعتیں منسوخ اور پہلے عہد جو تھے وہ سب ساقط ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اِصْرٌ کے ایک معنی اس پختہ اور تاکیدی عہد کے ہیں جو عہد شکن کو عہد شکنی کی وجہ سے نیکیوں اور ان کے ثواب سے محروم کر دیتا ہے۔

چونکہ نیکیوں کی تعلیم آسمان سے آتی ہے اور ثواب اور اجر کا دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس عہد سے مراد عہد بیعت ہی ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ سے کیا جاتا ہے۔

پس فرمایا کہ ہمارا یہ رسول، نبی اُمی دنیا میں اعلان کرتا ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے ماتحت کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سارے قدیم عہد ساقط کر دئے ہیں اور ان کی پابندی تم سے اٹھالی ہے۔ اب اس نبی اُمی خاتم النبییّن ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ربّ سے نئے عہد باندھو، تا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے پہلے سے زیادہ وارث بن سکو۔ یہ ایک معنی ہیں يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ کے!!

پھر فرمایا وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ بہت سی قومیں ایسی بھی تھیں جن کا رشتہ اپنی شریعتوں سے نبی کریم ﷺ کی بعثت سے کہیں پہلے ٹوٹ چکا تھا اور شریعت کی بجائے من گھڑت بدرسوم اور بدعات شنیعہ میں وہ جکڑی ہوئی تھیں۔ اور یہی ان کا مذہب تھا۔ خود ساختہ قیود اور پابندیاں ان کو نیکیوں سے محروم کر رہی تھیں اور ان کی تباہی کا باعث بن رہی تھیں۔ اور انہیں ان کے رب سے دور کر رہی تھیں۔ تو فرمایا وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ کے اس رسول ﷺ نبی اُمی نے ان تمام رسوم اور

بدعات کو یکسر مٹا دیا ہے۔ اگر تم قرب الٰہی چاہتے ہو تو رسوم اور بدعات کی بجائے قرآنی راہ ہدایت اور صراط مستقیم تمہیں اختیار کرنا پڑے گا۔ جب تک رسوم و بدعات کے دروازے تم اپنے پر بند نہیں کر لیتے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے تم پر کھل نہیں سکتے۔

اس کے بعد فرمایا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ یعنے اب وہی لوگ قرب الٰہی اور فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن مجید پر اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور دل سے اس نبی کو اور اس پر نازل ہونے والی شریعت کو حق، نور اور راہ نجات یقین کرتے ہیں اور جرأت اور دلیری کے ساتھ اس دلی یقین کا زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ اور برملا اس کا اظہار کرتے اور اس ہدایت کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں اور اپنے اعضاء اور جوارح اور اپنے قول اور فعل اور عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے ایمان کا دعویٰ حقیقتاً سچا ہے تو فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) اوّل دل سے یقین کرنا۔ کوئی کھوٹ نہ ہو کوئی کمزوری نہ ہو۔ (۲) پھر زبان سے یہ اقرار کرنا کہ ہمارے دل اس صداقت کو مان چکے ہیں۔ اظہار کے مفہوم میں ہی یہ بات پائی جاتی ہے کہ پختہ ایمان والا شخص تبلیغ اسلام میں ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ دلی ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کرے اور لوگوں کو بتائے کہ جس شریعت پر میں ایمان لایا ہوں۔ جس خدا کی کتاب کو میں نے مانا ہے اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے دروازے وہ اس اس طرح ہم پر کھولتی ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہمیں حاصل ہوتی ہیں۔ غرض وہ زبان سے تبلیغ اور اشاعت اسلام کرنے والا ہو۔ (۳) پھر اس کا محض زبانی دعوے نہ ہو بلکہ اس کی ساری زندگی اسلام کا ایک نمونہ ہو اور وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہا ہو کہ جو دعوے اس نے زبان سے کیا ہے اس میں کوئی فریب نہیں۔

تو فرمایا کہ وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قسم کا ایمان لاتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں فلاحِ دارین کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

پھر فرمایا وَعَزَّرُوْهُ۔ عَزَّرَ کے معنی ہیں فَخَّمَهٗ وَ عَظَّمَهٗ (منجد) اور مفردات میں تَعْزِيْرٌ (صفحہ ۳۴۳ باب العین) کے معنی یہ لکھے ہیں۔

’’اَلنُّصْرَةُ مَعَ التَّعْظِيْمِ نُصْرَةٌ بِقَمْعِ مَا يَضُرُّهٗ مِنْهُ‘‘۔

تو فرمایا کہ آسمانی نصرتوں کے دروازے صرف انہی پر کھولے جائیں گے جو اس نبی اُمی کی بزرگی اور عظمت اپنے دلوں میں قائم کریں گے اور اس کی عظمت اور جلال کے قیام کے لئے دشمن کے مکروں اور تدبیروں اور ظالمانہ حملوں کے مقابل صدق وصفا کے ساتھ سینہ سپر ہوں گے اور دشمن کے تمام منصوبوں کا اپنے ایثار اور فدائیت کے ساتھ قلع قمع کر کے اس نبی اُمی کی قوت کا باعث بنیں گے۔ اور قیام شریعت حقّہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار بنیں گے۔

عَـــزَّرَ کے مفہوم میں تعظیم بھی شامل ہے اور عَـــزَّرَ کے معنی میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ اس کی مضبوطی کا باعث بنا اس کے دشمنوں کا مقابلہ کر کے اور ان تمام ضرر رساں چیزوں کو راستہ سے ہٹا کر جن سے اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تو مدافعت کے لئے جو جہاد مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان دشمنانِ اسلام کے خلاف کیا۔ جو اسلام کو مٹانے کے لئے تلوار لے کر اٹھے تھے وہ اس ”تعزیر“ کے اندر آتا ہے مطلب یہ کہ انہوں نے ہر قسم کی قربانی دے کر اس ضرر کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی۔

اب جماعت احمدیہ کے ذریعے جولسانی اور قلمی جہاد قرآن کریم کی اشاعت وتبلیغ کے لئے کیا جارہا ہے یہ بھی ”تعزیر“ کے معنی کے اندر آتا ہے۔ کیونکہ ہمارے نوجوان اپنی زندگیوں کو وقف کرتے ہیں، ہر قسم کی تکالیف جھیلتے ہیں۔ غیر معروف اور دور دراز علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور بہت کم رقوم میں جو انہیں دی جاتی ہیں، گزارہ کرتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی تکالیف اس لئے برداشت کرتے ہیں کہ عیسائیت کی جو یلغار اسلام کے خلاف جاری ہے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بہت پیار کرتا ہے۔

پس ابتداء اسلام میں جہاد بالسیف اور ہر زمانہ میں (خصوصاً زمانہ حاضرہ میں) جہاد بالقرآن دونوں ”تعزیر“ کے اندر آتے ہیں کیونکہ تعزیر کے معنی میں یہ پایا جاتا ہے کہ کسی کی عظمت دل میں اتنی ہو کہ اس عظمت کی خاطر انسان اپنے نفس کو اور مال کو قربان کر رہا ہو، تا کہ ان منصوبوں کو جو اسے دکھ پہنچانے اور ضرر دینے کے لئے کئے جارہے ہوں ناکام بنا دیا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ نَـصَـرُوْهُ فلاح دارین کے مستحق وہ لوگ ہیں جو اس کی نصرت اور مدد میں کوشاں رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوکسی ذاتی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ نہ آپؐ کو اس کی خواہش تھی۔ آپؐ نے دیگر انبیاء کی طرح علی الاعلان کہا مَا اَسْئَلُکُم عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے میں اس پر تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔

پس ہمیں یہاں نصر کے معنی وہ کرنے ہوں گے جس معنی میں یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کا مفعول ہو۔ یعنی جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے اللہ تعالیٰ کی مدد کی (نَصَرَ اللّٰہ) اور لغت عرب میں اس نصرۃ کا مطلب یہ ہے کہ ھُوَ نُصْرَتُہٗ لِعِبَادِہٖ وَالْقِیَامُ بِحِفْظِ حُدُوْدِہٖ وَرِعَایَۃِ عُھُوْدِہٖ وَاعْتِنَاقِ اَحْکَامِہٖ وَ اجْتِنَابِ نَھْیِہٖ (مفردات) تو نصروہ فرما کر یہ بیان فرمایا کہ قربِ الٰہی کے عطر سے وہی لوگ ممسوح کئے جائیں گے اور حیات ابدی کے وہی وارث ہوں گے جو اخوت اسلامی کو قائم کرتے ہوئے بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کے ممد و معاون ثابت ہوں گے اور شریعت حقہ نے جو حدود قائم کی ہیں اس کی بیان کردہ شرائط کے ساتھ وہ لوگ چوکسی اور بیدار مغزی سے ان کی حفاظت کرنے والے ہوں گے اور وہ عہد جو انہوں نے اپنے ربّ سے اس نبی اُمی کے ہاتھ پر باندھا ہے مقدور بھر اس کی پابندی کرنے والے ہوں اور جو اوامر اور احکام پر مضبوطی سے قائم رہیں گے اور ان نواہی سے بچیں گے جن سے بچنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ ہیں جو اس کی نصرت کرتے ہیں۔ ان کا معاشرہ باہمی اخوت کے اصول پر قائم ہے۔ بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں۔ کسی کی بے جا مخالفت نہیں کرتے، کسی کو دکھ نہیں دیتے، کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، کسی کے خلاف زبان نہیں چلاتے وغیرہ وغیرہ بہت سی حدود ہیں جو شریعت اسلامیہ میں قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ بعض جگہ لفظاً کہہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور بعض جگہ معناً ان حدود کی طرف اشارہ کر دیا۔

تو نَصَرُوْہُ کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ قرآن کریم کی بتائی ہوئی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

ایک اور معنی نَصَرُوْہُ کے یہ ہیں کہ اُمت مسلمہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اپنے رب سے عہد باندھا ہے اس میں سے وہی لوگ خدا کی نگاہ میں ''مفلح'' کہلانے کے مستحق ہوں گے جو اپنے

عہد کی رعایت اور پابندی کرنے والے ہوں گے۔ نیز وہ جو قرآن کریم کے احکام یعنی ’’کرنے کی باتوں‘‘ کا جو سینکڑوں ہیں اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جوا اپنی گردنوں میں ڈالنے والے ہیں۔ اور نواہی جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان باتوں کو نہ کرو ان باتوں سے وہ اجتناب کرتے ہیں۔

فرمایا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ فلاح دارین کے حق دار ہیں۔

پھر فرمایا وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ کہ اس نبی اُمی کے ساتھ آسمان سے ایک نور بھی نازل ہوا ہے۔ اس کے ہر قول میں آسمانی روشنی جھلکتی نظر آتی ہے اور اس کے ہر فعل میں اللہ کا نور جلوہ گر نظر آتا ہے۔

اِتَّبَعَ کے معنی ہیں قَفَا اَثَرَهٗ اور اَثَر کے معنی سنت کے ہیں۔ تو اِتَّبَعُوْا کے معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ایک نورانی وجود بنا کر دنیا میں بھیجا تھا مگر یہ اس قسم کا نورانی وجود نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کے نزدیک فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ (اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ) (الکھف:۱۱۱) ہماری طرح کا ایک بشر ہونے کے باوجود بے حد اور بے شمار انوار روحانی آپؐ کے ساتھ اور آپؐ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے۔

تو اس آیت میں فرمایا کہ یہ رسول نور ہے اس کا ہر فعل نور اور اس کا ہر قول نور ہے۔ تم اس کی اتباع کرو گے تو اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے مطابق تم مُفْلِحِیْن میں شامل ہو جاؤ گے۔

پس فرمایا کہ جو لوگ اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس کے اسوۂ حسنہ کے رنگ میں رنگین ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ اس زندگی میں بھی خدا تعالیٰ کا نور ان کے چہروں پر چمکتا ہے اور اُخروی زندگی میں بھی ان کا یہ نور (نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ) (التحریم:۹) ان کے آگے بھی چل رہا ہوگا اور ان کے دائیں بھی چل رہا ہوگا۔ یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ یہ خدا تعالیٰ کے ان نیک اور پاک بندوں کا گروہ ہے جو سنت محمدیہ کی اتباع کرنے والے ہیں۔

غرض فرمایا کہ وہ لوگ جن کا ایمان پختہ ہے۔ جن کا ایثار اور جن کی فدائیت اعلیٰ ہے اور جنہوں نے احسن طور پر اپنے نفسوں کی اصلاح کی ہے اور دنیا کے سامنے اپنا پاک نمونہ پیش کیا ہے اور اسوۂ رسول کی کامل اتباع کی ہے اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اور اس کے حضور

فلاح پانے والے ہیں۔

فلاح کا لفظ عربی زبان میں اس قسم کی انتہائی اعلیٰ اور احسن کامیابی پر بولا جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کوئی اور لفظ عربی لغت میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے معنی دنیوی اور اُخروی کامیابی کے ہیں۔

دنیوی کامیابی اس معنی میں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صحت والی زندگی دی ہے۔ اتنا مال اور قناعت دی ہے کہ سوائے اپنے رب کی احتیاج کے اس کو کسی اور چیز کی احتیاج محسوس نہ ہو۔ اور عزت و جاہ عطا کیا ہے۔ تو جس شخص کو یہ تینوں چیزیں مل جائیں اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو فلاح مل گئی۔

اور اُخروی کامیابی اس معنی میں کہ اوّل ایسے شخص کو ایسی دائمی بقاء اور دائمی حیات حاصل ہو جو فی الواقع اور فی الحقیقت حیات ہے۔ کیونکہ جو لوگ جہنم میں جائیں گے بظاہر وہ بھی زندہ ہوں گے لیکن ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ زندہ ہوں گے اور نہ مردہ لیکن حقیقی اور دائمی حیات وہ ہے جس کے اندر فنا، کمزوری یا بیماری کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

دوم۔ جو چاہے اسے ملے۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں کے متعلق یہی کہتا ہے کہ جو وہ چاہیں گے ان کو مل جائے گا۔ خدا کے نزدیک یہ بڑے پیار کا مقام ہے کہ ان کی کوئی خواہش ردّ نہ کی جائے گی۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے دل میں کوئی ایسی خواہش پیدا نہ ہوگی جو خدا کی نگاہ میں رد کئے جانے کے قابل ہو۔ نیک خواہشیں ہی ان کے دل میں پیدا ہوں گی اور انہیں پورا کر دیا جائے گا۔

سوم۔ اسے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور اس معاشرہ میں جس کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے۔ (اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیسا ہے) اور جس قسم کے اجتماعی تعلقات ہوں گے اس میں اسے پوری اور حقیقی عزت حاصل ہوگی اور یہ خطرہ نہ ہوگا کہ اسے کبھی ذلیل بھی کر دیا جائے گا۔ اور چہارم یہ کہ معرفت میں اسے کمال حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کامل معرفت اور ان کا کامل عرفان اس دنیا میں مادی بندھنوں میں بندھے ہونے کی وجہ سے ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس دنیا میں ہمارے لئے جن صفات کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں وہ ہمارے لئے اپنے کمال کو نہیں پہنچتے۔ اگر کسی فرد واحد کے لئے خدا تعالیٰ کی صفت کا جلوہ اپنے کمال کو پہنچا تو وہ صرف آنحضرت ﷺ کی ذات تھی۔ اس جلوہ کو دیکھنے کے لئے

ایک وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بے تاب رہے۔مگر وہ، وہ جلوہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک وجود کے علاوہ خدائی صفات کا کامل جلوہ کسی اور انسان پر نہیں ہوسکتا اور نہ ہوا۔

جب یہ چاروں باتیں کسی انسان کو حاصل ہوں تو عربی زبان میں کہتے ہیں کہ وہ مفلح (کامیاب) ہو گیا۔پس لفظ فلاح بہت بڑی، بہت شاندار، بہت ارفع، بہت اعلیٰ کامیابی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تو فرماتا ہے کہ جو لوگ حقیقی طور پر اور صحیح معنی میں ایمان لاتے ہیں، جو لوگ آنحضرت ﷺ کو تقویت پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں۔ایثار اور فدائیت کا نمونہ دکھاتے ہیں اور جو لوگ قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو اس طرح ڈھالتے ہیں کہ واقعہ میں وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی فرزند بن جاتے ہیں۔اور جو لوگ سنت اللہ کو قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے اس نور سے دنیا کو منور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو نبی کریم کے وجود کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا۔اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہ لوگ ہیں جو دنیا میں بھی فلاح پانے والے ہیں اور آخرت میں بھی فلاح پانے والے ہیں۔

پس بدرسوم اور ایمان کامل اکٹھے نہیں ہو سکتے۔اس وقت مجھے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔اسلام کی اشاعت اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور جلال کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے جس قسم کی قربانی اور جس حد تک قربانی دینا ضروری ہے۔جو شخص رسوم کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے وہ اس حد تک قربانی نہیں دے سکتا۔

بعض لوگ ہماری جماعت میں بھی ہیں جو مثلاً اپنی لڑکی کی شادی کرتے وقت خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے سادہ طریق کو چھوڑ کر اپنی خاندانی رسوم کے مطابق اسراف کی راہ اختیار کرتے ہیں۔اس کے نتیجہ میں وہ مقروض ہو جاتے ہیں۔پھر مجھے لکھتے ہیں کہ میں بہت مقروض ہو گیا ہوں۔مہربانی کر کے میرے چندہ کی شرح کم کر دی جائے کیونکہ اب میں مجبوراً ۱/۱۶ کی بجائے ۱/۳۲ یا ۱/۵۰ یا ۱/۶۴ ادا کر سکتا ہوں اس سے زیادہ نہیں۔حالانکہ خدا تعالیٰ نے انہیں فرمایا تھا کہ تم رسوم کو چھوڑ دو اور بدعات کو ترک کر دو۔مگر انہوں نے رسوم کو نہ چھوڑا۔خدا تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لی اور قرض میں بھی مبتلا ہو گئے۔تو فرماتا ہے کہ وہ لوگ اس گروہ میں شامل نہ ہو سکے۔جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَعَزَّرُوْهُ کہ وہ

قربانیاں دے کر نبی کریم ﷺ کی مدد کرتا اور شریعت اسلام کے قیام یا اشاعت کے لئے کوشاں رہتا ہے میں نظارت اصلاح وارشاد کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ جتنی رسوم اور بدعات ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں ان کو اکٹھا کیا جائے اور اس بات کی نگرانی کی جائے کہ ہمارے احمدی بھائی ان تمام رسوم اور بدعات سے بچتے رہیں۔

اس وقت میں مختصراً بتا رہا ہوں کہ جو شخص رسوم اور بدعات کو نہیں چھوڑتا جس طرح اس کا ایمان پختہ نہیں اسی طرح وہ نبی کریم ﷺ کی مدد اور اسلام کی تقویت کے لئے وہ قربانیاں بھی نہیں دے سکتا جن قربانیوں کا اسلام اس سے مطالبہ کرتا ہے۔

وَنَصَرُوْهُ میں نفس کا محاسبہ اور اس کی اصلاح اور اس کو کمال تک پہنچانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ اس کے بہت سے معنی ہیں اور وہ مختلف شعبوں پر حاوی ہیں۔ اور ہماری اصلاح کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تمام نواہی سے بچنا تمام احکام کی پیروی کرنا، اخوت کی بنیاد قائم کرنا وغیرہ بہت سی باتیں اس کے اندر آتی ہیں لیکن جو لوگ رسوم میں مبتلا ہوں، بدعتوں کو جائز سمجھتے ہوں، وہ دنیا میں اس قسم کا نمونہ پیش نہیں کر سکتے اور ان کے نفوس کی کامل اصلاح ممکن ہی نہیں، کیونکہ رسوم کی پابندی کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم کی پوری پابندی اور اس کی بیان فرمودہ ہدایت پر حقیقی معنی میں گامزن ہونا ناممکن ہے۔

پس اگر ہم بدعتوں اور رسموں کے پابند رہیں گے اور اندھیرے میں ہی پڑے رہیں گے تو ہرگز اس نور سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اور نہ ہی اس نور کے ذریعہ سے جو سنت اور جو اسوۂ حسنہ دنیا میں قائم کیا گیا ہے ہم اس کی اِتباع کر سکیں گے اور اگر ہم ایسا نہ کر سکیں گے تو نہ ہمیں اس دنیا میں فلاح حاصل ہوگی اور نہ ہی اُخروی زندگی میں۔

پس ہر احمدی پر، ہر احمدی خاندان اور ہر احمدی تنظیم پر یہ فرض ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو رسوم اور بدعتوں سے بچائے رکھے، محفوظ رکھے اور اس بات کی بھی نگرانی کرے کہ کوئی احمدی بھی رسوم ورواج کی پابندی کرنے والا نہ ہو اور بدعات میں پھنسا ہوا نہ ہو۔

دنیا میں رسوم وبدعات کا عجیب جال بچھا ہوا ہے۔ جب آدمی ان پر غور کرتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے

کہ خدا نے جس مخلوق (انسان) کو اشرف المخلوقات بنایا اور جس پر آسمانی رفعتوں کے دروازے کھولے وہ کس طرح اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے اور پھر کس طرح نور کی بجائے ظلمات میں آرام و راحت پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو ان رسوم و بدعات سے محفوظ رکھے اور توفیق دے کہ ہم اس کی منشاء کے مطابق اس آیہ کریمہ میں جس ایمان اور جس تعزیر اور جس نصرت اور جس اتباع کا حکم دیا گیا ہے اس کی پیروی کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کر کے اس دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور اُخروی زندگی میں بھی کامیاب ہوں اور مُفۡلِحِیۡن کے گروہ میں شامل ہونے والے ہوں۔ آمین

(الفضل ۲۸؍ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

☆......☆......☆